



پیش لفظ

لمسیر القرآن کے مفسر جناب مولانا عبدالرحمن کیلانی کو شروع سے ہی قرآن مجید سے گہری محبت اور شغف تھا۔ بچپن میں جب مرحوم ابھی چھٹی جماعت کے طالب علم تھے ان کے استاد نے ایک آیت پڑھی جس میں لفظ ”آلا“ آتا تھا۔ استاد صاحب نے اس کا ترجمہ ”آلا“ سمجھ کر ”مگر“ کیا۔ مفسر مرحوم سے نہ رہا جاسکا اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ ”اگر بے ادبی نہ ہو تو عرض کروں“..... استاد کی اجازت پا کر انہوں نے کہا کہ یہ ”آلا“ نہیں بلکہ ”آلا“ ہے جس کا ترجمہ ”خبردار“ ہے۔ صاحب ”آلا“ اور ”آلا“ کا فرق نہیں جانتے تھے انہوں نے جب فرق بتایا تو وہ ناراض نہیں ہوئے بلکہ خوش ہو کر انہیں بلا دی۔ میں نے یہ واقعہ یہ بتانے کے لیے لکھا ہے کہ جب مفسر مرحوم چھٹی جماعت میں تھے تو قرآن مجید کا ترجمہ پڑھ چکے تھے۔ عام طور پر مشکل عربی اشعار ان کی زبان پر ہوتے تھے۔ انہوں نے باقاعدہ اپنی ایک کاپی بنائی ہوئی تھی جس پر مشکل عربی کے معانی اور مادے وغیرہ تحریر کیا کرتے تھے۔ اسے اس شوق کا فاضل مصنف نے خود ان الفاظ میں ذکر کیا:

”مجھے خوب یاد ہے کہ بچپن میں جب میں چوتھی کلاس میں پڑھتا تھا تو میرے والد مرحوم مجھے رات کو ترجمہ قرآن کریم اور عربی گرامر کے قواعد پڑھایا کرتے تھے۔ اس طرح بچپن میں ایک بار ترجمہ قرآن ختم کیا۔ بڑا ہوا تو قرآن کریم کے مطالعہ کا ذوق پیدا ہوا تو معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے بہت سے الفاظ کا اردو زبان میں صرف ایک ہی لفظ سے ترجمہ کر لیا جاتا ہے مثلاً خوف، خشية، حذر، وجل، وجس، تقوى اور رهب وغیرہ سب الفاظ کا ترجمہ ”ڈرنا“ ہی لکھا جاتا تھا۔ حرمت میں جستجو کا ذوق تو شروع سے ہی تھا۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ قرآن کریم کے ایسے مترادف الفاظ کا ذیلی فرق کیا ہے لیکن بسا اوقات مایوسی ہی ہوتی۔ پھر میں نے علماء کی طرف رجوع کیا تو مجھے حیرانی ہوئی کہ اس سلسلہ میں اکثر علماء کا اہم بالکل خالی ہے۔ انہوں نے کبھی یہ فرق معلوم کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔“

اس کے بعد فاضل مصنف نے اس سلسلہ میں اکثر ڈکشنریوں کا بغور مطالعہ کیا۔ اسی جستجو اور شوق کے نتیجے میں انہوں نے بعد میں اپنی نادر، علمی تصنیف ”مترادفات القرآن“ لکھی۔ اور یہ کتاب غالباً پورے عالم اسلام میں اس موضوع پر واحد کتاب ہے جس کے ذریعے قرآن مجید کے مترادف الفاظ کا ذیلی فرق معلوم کیا جاسکے۔ قرآن فہمی سے ان کی دلچسپی کا ایک ثبوت ان کا مختصر کتابچہ ”قرآن نا فہمی کے اسباب اور ان کا حل“ بھی ہے۔

قرآن مجید سے حد درجہ محبت اس بات سے بھی واضح ہوتی ہے کہ جب کمائی شروع کی تو کتابت ان کا ذریعہ معاش تھا۔ نسخ اور خط و دلوں خطوط میں نام پیدا کیا۔ علاوہ ازیں خطِ رقعہ، خطِ کوئی اور دیگر عربی خطوط میں دسترس حاصل کی۔ اپنی زندگی میں پچاس کے قریب قرآن مجید کتابت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ خادم الحرمین الشریفین فہد بن عبدالعزیز کے قرآن کمپلیکس نے مصنف المدینۃ النبویۃ کے لیے قرآنی متن کے سلسلہ میں فاضل مصنف کے کتابت شدہ خط کو ہی منتخب کیا۔

انہیں اپنے علمی ذوق کی سیرابی کے لیے قرآن مجید کی ایک مفصل سلفی تفسیر کی ضرورت تھی۔ مگر اس میدان میں بھی انہیں اشرف الخواشی، تفسیر وحیدی یا اس طرح کی کچھ دوسری مختصر تفاسیر ہی ملتی تھیں۔ تفہیم القرآن کا بھی مطالعہ کرتے تھے۔ مگر اس کے باوجود ایک تفسیر کی اشد ضرورت محسوس کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے خود ہی کام کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بہت اچھا دیا ہوا تھا۔ جب ارادہ کر لیا تو راستے کھلتے چلے گئے۔

انہی دنوں میں ایک عالمی ادارے نے انہیں قرآن مجید کی ایک مفصل تفسیر لکھنے کے لیے پیش کش کی۔ معاوضہ کی بات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

تیسیر القرآن

اس تفسیر کی 4 جلدیں ہیں۔

✽ جلد اول سورۃ الفاتحہ تا سورۃ الانعام ✽ جلد سوم سورۃ مریم تا سورۃ ص
✽ جلد دوم سورۃ الاعراف تا سورۃ الکہف ✽ جلد چہارم سورۃ الزمر تا سورۃ الناس

ترجمہ و تفسیر

خطاطی قرآن مجید

تعداد

طبع

کیوزنگ

اہتمام

ناشر

مطبع

ہدیہ

ناشر: مکتبۃ السلام

سٹریٹ نمبر: 20، سن پورہ لاہور فون: 0321-8869902, 042-35962487

دستی بیورو

دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور
لندن • میونسٹن • نیویارک



ہیڈ آفس و مرکزی شوروم 36 - لوئر مال، کیکر ٹریٹ شاپ، لاہور

فون: 37354072, 37240024, 37232400, 37324034 فیکس:

E-mail: info@darussalampk.com Website: www.darussalampk.com

شوروم اردو بازار اتر سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 37120054 فیکس: 37320703

مفسر مرحوم..... مولانا عبدالرحمن کیلانی رحمہ اللہ

مولانا عبدالرحمن کیلانی مرحوم بہت ہی سادہ اور دولش صفت انسان تھے میں نے گھر اور باہر جب بھی انہیں دیکھا سفید لباس میں ہی دیکھا سفید لباس، تہبند اور قمیص پر مشتمل ہو یا شلوار قمیص، سر پر ہمیشہ سفید رومال رکھتے اور بازار جاتے وقت سیاہ رنگ کی جناح کیپ استعمال کرتے۔ لکھنے کے لیے ہمیشہ کوئی بھی معمولی سا قلم اور سواری کیلئے سائیکل ہی استعمال کی۔ مالی طور پر خوب مستحکم تھے مگر اس کے باوجود کبھی تصنع یا بڑائی کا اظہار نہیں کیا۔

والد مرحوم چار بھائی تھے۔ ان چار بھائیوں میں چار چار سال کا فرق تھا اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ پہلے تینوں بھائی اسی ترتیب سے چار چار سال وقفے سے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ بچپن میں تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ٹیوشن پڑھا کر اور کبھی دکان کے ذریعہ اپنے والد صاحب کا ہاتھ بٹایا۔ ان حالات میں ہمیشہ ہر امتحان میں اعلیٰ کامیابی اور وظیفہ حاصل کیا۔ بی اے۔ کا امتحان گھریلو مجبوریوں کی وجہ سے نہ دے سکے۔ محترم ابا جان نے فوج میں ملازمت کی اور فوج سے صرف اس بنا پر استعفیٰ دے دیا کہ یہ ملازمت داڑھی رکھنے سے مانع تھی جب کہ انہیں داڑھی منڈوانا منظور نہ تھا۔ حالانکہ محکمہ نے انہیں پروموشن اور تنخواہ میں اضافے کا بھی لالچ دیا مگر یہ چیزیں سنت رسول ﷺ کے مقابلہ میں ان کے سامنے بچ تھیں۔

استعفیٰ کے بعد کتابت کو بطور پیشہ اختیار کیا۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۵ء تک اردو کتابت کی اور اس وقت کے سب سے بہتر ادارے، فیروز سنز، سے منسلک رہے۔ ۱۹۶۵ء میں قرآن مجید کی کتابت شروع کی اور تاج کمپنی کے لیے کام کرتے رہے۔ غالباً ۵۰ کے قریب قرآن مجید کی کتابت کی سعادت حاصل کی۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ۱۹۷۲ء میں حج کرنے گئے تو کی سورتوں کی کتابت باب بلال (مسجد حرام) میں بیٹھ کر کی اور مدنی سورتوں کی کتابت مسجد نبوی میں اصحاب صفہ کے چوتروہ پر بیٹھ کر کی۔ الحمد للہ اس تفسیر میں قرآن مجید کی اسی بابرکت کتابت کو ہی بطور متن قرآن شائع کیا جا رہا ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست!

کتابت کے سلسلہ میں خاندان کے بہت سے لوگوں کو ممنون کیا۔ انہیں کتابت سکھا کر باعزت روزگار پر لگایا۔ اس تعاون کے علاوہ برادری کے اکثر لوگوں کی حتی المقدور مالی اعانت کرتے رہے۔ اس کا اندازہ ہمیں ان کی زندگی میں بھی تھا۔ مگر اصل صورت حال ان کی وفات کے بعد معلوم ہوئی۔ ہر ضرورت مند کو اس کی ضرورت کے مطابق قرض حسنہ دے دیتے اور بسا اوقات وہ واپس کرنے کی پوزیشن میں نہ ہوتا تو معاف کر دیتے۔

۱۹۸۰ء کے بعد جب انہیں فکر معاش سے قدرے آزادی نصیب ہوئی تو تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس میدان میں بھی ماشاء اللہ علماء و مصنفین حضرات کی صف میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ مرحوم نے معاشرت، معیشت، سیاست، عقائد اور جدید دینی مسائل پر تحقیق و تنقید کی اور علمی حلقوں میں داد تحسین پائی۔ ابا جان مرحوم کی تصانیف میں سے مترادفات القرآن، آئینہ پرویزیت، شریعت و طریقت، خلافت و جمہوریت، تجارت اور لین دین کے مسائل، عقل پرستی اور انکار معجزات، روح، عذاب قبر اور سماع موتی، احکام ستر و حجاب، اسلام میں دولت کے مصارف اور الشمس والقمر بحبان ہیں۔

ان کی وفات کے بعد جب ان کے مسودات وغیرہ دیکھے گئے تو کئی ایک غیر مطبوعہ کتب بھی ملیں جو وہ مکمل کر چکے تھے۔ ان میں سے نبی اکرم ﷺ بحیثیت سپہ سالار طبع ہو چکی ہے۔ ”محمد ﷺ صبر و ثبات کے پیکر اعظم اور ایک مجلس کی تین طلاقیں ہیں“ کا شرعی حل، بھی زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر موضوعات پر بھی ان کے مفصل علمی مقالہ جات موجود ہیں۔

آخری عمر میں وہ قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھ رہے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ اس کو خود طبع کروائیں مگر عمر نے وفات کی ان کی وفات کے بعد الحمد للہ اس تفسیر کو چھپوانے کا اعزاز ہمیں حاصل ہوا ہے ”تیسیر القرآن“ نے چند ہی سالوں میں دوسری بار اول تقاسیر میں اپنی امتیازی حیثیت کو تسلیم کروالیا ہے۔ اس تفسیر کی خصوصیت یہ ہے کہ متن قرآن کی کتابت، ترجمہ اور تفسیر سب کچھ ابا جان مرحوم کی ذاتی کاوش ہے۔ اس تفسیر میں انہوں نے آیت کے ساتھ مطابقت رکھنے والی احادیث کا بحوالہ دیا ہے اور صحاح ستہ سے ہی احادیث لی ہیں۔ مروجہ اردو تفاسیر کے انداز میں لکھی جانے والی اس تفسیر کی اضافی خوبی یہ ہے کہ حاشیہ میں ذیلی سرخیوں کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ یہ تفسیر ۴ جلدوں میں ہے۔

مولانا نے اپنی کتب کی اشاعت کے لئے مکتبہ السلام کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ بھی قائم کیا، تصنیف و تالیف سے لے کر اپنی کتب کی اشاعت اور تقسیم تک کی ذمہ داری آپ خود انجام دیا کرتے۔ آپ کی وفات کے بعد بھی الحمد للہ یہ مکتبہ راقم الحروف کی نگرانی میں اس نیک فرض کو بخوبی نبھا رہا ہے۔ گزشتہ سالوں میں مفسر مرحوم کی کتب کے متعدد ایڈیشن اور بعض غیر مطبوعہ تالیفات بھی اس مکتبہ کے تحت شائع کی گئیں۔ یہ ادارہ بھی آپ کی الباقیات الصالحات میں شامل ہے۔

۱۹۶۰ء میں ہماری والدہ محترمہ (اللہ انہیں غریق رحمت کرے) نے گھر میں ہی بچیوں کی دینی تعلیم کا آغاز کیا۔ آہستہ آہستہ اس کام میں اللہ نے اتنی برکت دی کہ آج وہی کونسل ایک تناور درخت بن چکی ہے۔

مدرسہ تدریس القرآن والحدیث للبنات لاہور میں اپنی نوعیت کا واحد تعلیمی و تربیتی ادارہ ہے جو طالبات کے مدارس میں ایک معتبر مقام رکھتا ہے۔ اس مدرسہ میں اس وقت تقریباً ۲۰۰ کے قریب لڑکیاں رہائش پذیر ہیں۔ جن کا قیام و طعام مدرسہ کے اندر ہے اور اس کے علاوہ تقریباً ۲۰۰ لڑکیاں ایسی ہیں جو صبح آتی اور پڑھ کر واپس چلی جاتی ہیں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس مدرسہ کی فارغ التحصیل کئی لڑکیوں نے اپنے اپنے علاقوں میں دینی تعلیم کے مدارس قائم کر رکھے ہیں اور پیشہ طالبات کی مشق کو اپنائے ہوئے ہیں۔ اس مدرسہ میں ماہ رمضان میں عربی گرامر کے مختصر کورس اور دورہ تفسیر بھی کروایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مدرسہ کا سالانہ اجتماع ہر سال منعقد کروایا جاتا ہے۔ طالبات کی زیادہ تعداد کے پیش نظر چار کنال کے وسیع و عریض پلاٹ پر مدرسہ کا توسیعی منصوبہ شروع کیا گیا ہے۔ مدرسہ کا پلاٹ محترم ڈاکٹر حبیب الرحمن کیلانی صاحب نے وقف کیا ہے۔ عمارت الحمد للہ تکمیل کے مراحل میں ہے۔

اس مدرسہ کے جملہ خارجی امور ابا جان اپنے ہاتھوں انجام دیتے تھے۔ جبکہ داخلی امور میں والدہ محترمہ کے ساتھ ان کی بیوی ان کے ساتھ تعاون کرتی رہیں۔ ان دنوں یہ ذمہ داری ان کی سب سے چھوٹی بیٹی (ہماری بہن) اور والد مرحوم کی دوسری بیٹی محترمہ بحسن و خوبی انجام دے رہی ہیں۔ مرحوم کے بڑے بیٹے ڈاکٹر حبیب الرحمن کیلانی مدرسہ کے خارجی امور کے ذمہ دار ہیں۔

مرحوم نے اس سلسلہ میں کبھی لوگوں سے باصرار چندہ کا مطالبہ نہیں کیا۔ اگر کوئی خود دے دیتا تو لے لیتے، بسا اوقات اپنی طرف سے بڑی بڑی رقم اس مد میں خرچ کر دیتے۔ الحمد للہ آج تک مدرسہ کا تعلیمی معیار یہ ہے کہ لڑکیاں ہر سال وفاق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست مضامین تیسیر القرآن جلد اول

سورۃ الفاتحہ تا سورۃ الانعام

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
	سورۃ الفاتحہ		
44	ریب کا لغوی مفہوم	30	تلاوت سے پہلے تعوذ کا حکم
44	کیا قرآن صرف متقین کے لئے ہدایت ہے یا سب کے لئے؟	30	فضائل سورۃ فاتحہ
44	متقین کے اوصاف	30	سورۃ فاتحہ کے مختلف نام
45	آخرت کا مفہوم اور عقیدہ آخرت کی اہمیت	31	سورۃ فاتحہ سے دم چھاڑ
46	ارکان اسلام کی اہمیت اور ترتیب	32	قرآۃ فاتحہ خلف الامام
46	مہر کیسے کافروں کو لگتی ہے؟	33	کیا بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۃ فاتحہ کا جز ہے؟
47	مہر کیوں اور کب لگتی ہے؟		جہری نمازوں میں بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز سے کہنا؟
47	مہر لگانے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں؟		رحمن اور رحیم میں لغوی فرق
49	اوصاف کا سدہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں؟	35	حمد اور شکر میں لغوی فرق
49	منافقوں کی مثال (۱)	35	عالمین سے مراد اور اللہ کی تعریف کی وجہ
50	منافقوں کی مثال (۲)	36	دین کے مختلف معانی
51	دلائل توحید	36	عبادت کا مفہوم
51	قرآن کا چیلنج اور اس کی معجزانہ حیثیت	37	استعانت کا مفہوم
52	رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر دلیل	38	جبریہ اور قدریہ دونوں فرقوں کا رد
52	قرآن کے امتیازی پہلو	38	سیدھی راہ کون سی ہے؟
53	اشتراکیت کی ناکامی کی وجہ	38	دعا کے متعلق سرسید احمد خان کا نظریہ
53	قرآن کا اصل موضوع	40	گمراہ اور مغضوب کون ہیں؟
53	قرآن میں بے کار بحثوں سے اجتناب	40	آمین بالجبر کا ثبوت
54	جہنم کا ایندھن کون سی اشیاء ہوں گی؟		سورۃ البقرہ
54	تقویٰ کا لغوی مفہوم	41	فضائل سورۃ البقرہ
55	مثال کے درست ہونے کی شرط	41	زمانہ نزول اور شان نزول
56	گمراہی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے؟	41	سورۃ بقرہ کے نزول کا پس منظر
56	صلہ رحمی کی تاکید اور اقرباء سے حسن سلوک	41	حروف مقطعات کی بحث
57	زندگی اور موت کے چار مراحل		

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
68	موضوع حدیث کی مجموعی ترکیب	57	مضامین
69	کیا نیکی اور بدی کے نتائج لازمی ہیں؟	58	مضامین
69	کفارہ مسیح کا عقیدہ	58	مضامین
69	جنت میں دوبارہ داخلہ	59	مضامین
69	بنی اسرائیل سے خطاب کا آغاز	59	مضامین
70	بنی اسرائیل کا کتاب اللہ سے سلوک	59	مضامین
70	اہل کتاب کے ایمان لانے پر دوہرا اجر	60	مضامین
71	نماز باجماعت کی فضیلت اور فوائد	60	مضامین
71	نماز کے فضائل اور اہمیت	61	مضامین
72	پریشانیوں اور مصائب کا علاج	61	مضامین
72	صبر کی تعریف	61	مضامین
73	سفارش پر تنکیر کرنا زری بے وقوفی ہے	61	مضامین
73	فرعون کی بنی اسرائیل کو تعذیب کی وجہ	62	مضامین
74	بنی اسرائیل کی گنہگار پرستی	62	مضامین
74	گنہگار پرستوں کا قتل عام	63	مضامین
75	منتخب ستر آدمیوں کی موت اور دوبارہ زندگی	63	مضامین
75	بنی اسرائیل کا جہاد سے انکار	64	مضامین
75	جہاد سے انکار کی سزا	64	مضامین
75	ابرمین و سلویٰ اور بارہ چشمے	64	مضامین
76	بنی اسرائیل کا فتح کے وقت تکبر	65	مضامین
76	طاغوت کا عذاب	65	مضامین
76	بارہ چشموں کا پھوٹنا	65	مضامین
77	فساد فی الارض کیا ہے؟	66	مضامین
78	بنی اسرائیل کا من و سلویٰ پر قناعت نہ کرنا	66	مضامین
78	ذلت اور مسکنت کا مفہوم	66	مضامین
79	اہل کتاب کے موعومہ عقائد	67	مضامین
79	میثاق بنی اسرائیل کی کیفیت	67	مضامین
80	اصحاب سبت کا انجام	68	مضامین

۷ آیاتہا ۱ رکوعہا ۱
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیات ۷ سورہ فاتحہ کی ہے (۵) رکوع ۱

(شروع) اللہ کے نام ^[۲] سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ ^[۳]

[۱] تلاوت سے پہلے تعوذ کا حکم: قرآن کریم کی تلاوت شروع کرنے سے پہلے ﴿أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ ضرور پڑھ لینا چاہئے۔ کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ (۹۸:۱۶) ”جب آپ ﷺ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کیجئے“

اور یہ تو ظاہر ہے کہ پناہ کسی نقصان پہنچانے والی چیز یا دشمن سے درکار ہوتی ہے اور ایسی ہستی سے پناہ طلب کی جاتی ہے جو اس نقصان پہنچانے والے دشمن سے زیادہ طاقتور ہو۔ شیطان چونکہ غیر محسوس طور پر انسان کی فکر پر اثر انداز ہوتا ہے۔ لہذا یہ دعا دراصل قرآن کی تلاوت کے دوران کج فکری سے بچنے اور قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کی دعا ہے۔ نیز یہ وہ دعا ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے بندوں کو سکھائی اور اسے پڑھنے کا حکم دیا۔

(۱) فضائل سورہ فاتحہ: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دن جبریل رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے اپنے اوپر ایک زوردار آواز سنی انہوں نے اپنا سر اٹھایا۔ پھر فرمایا: ”یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے جو آج سے پہلے کبھی نہیں کھلا“ پھر فرمایا: ”یہ ایک فرشتہ ہے جو آج سے پہلے زمین پر کبھی نازل نہیں ہوا۔ پھر اس فرشتے نے آپ ﷺ کو سلام کیا اور دونوروں کی خوشخبری دی اور کہا: ”یہ دونوں آپ ہی کو دیئے جارہے ہیں۔ آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔ ایک سورہ فاتحہ اور دوسرا سورۃ البقرہ کی آخری دو آیات۔ آپ ﷺ جب کبھی ان دونوں میں سے کوئی کلمہ تلاوت کریں گے تو آپ ﷺ کو طلب کردہ چیز ضرور عطا کی جائے گی“ (صحیح مسلم۔ کتاب فضائل القرآن۔ باب فضل الفاتحہ)

(۲) سورہ فاتحہ کے مختلف نام: سیدنا ابوسعید بن معلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: ”میں تجھے قرآن کی ایک ایسی سورت بتاؤں گا جو قرآن کی سب سورتوں سے بڑھ کر ہے اور وہ ہے ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ وہی ﴿سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي﴾ اور قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا“ (بخاری: کتاب التفسیر، سورۃ انفال: ۲۴ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اسْتَجِیْبُوْا نِیْزَ تَفْسِیْرِ سُوْرَةِ الْفَاتِحَةِ)

(۳) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: سورۃ الحمد ہی اُم القرآن، اُم الکتاب اور دہرائی ہوئی سات آیتیں ہیں۔ (ترمذی: ابواب التفسیر، تفسیر سورہ محمد)

اس سورہ کا سب سے زیادہ مشہور نام الفاتحہ ہے جس کے معنی ہیں کھولنے والی یعنی دیباچہ، مقدمہ یا پیش لفظ۔ اس کے متعلق علماء کی دو آراء ہیں: ایک یہ کہ یہ سورۃ ایک دعا ہے جو بندوں کو سکھائی گئی ہے کہ وہ اس انداز سے اللہ سے ہدایت طلب کیا کریں اور باقی سارا قرآن اس دعا کا جواب ہے۔ ان حضرات کی توجیہ یہ ہے کہ اس سورہ کا ایک نام سورۃ الدعاء بھی ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ یہ سورہ سارے مضامین قرآن کا اجمالی خلاصہ ہے۔ پھر اس سورہ کا خلاصہ ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِیْنُ﴾ ہے۔ ہمارے نزدیک دوسری رائے ہی رائج ہے اور اس کی مندرجہ ذیل دو وجوہ ہیں:

خود رسول اللہ ﷺ نے اس سورہ کو قرآن عظیم، اُم الکتاب اور اُم القرآن فرمایا ہے جس کا مفہوم یہی ہے کہ یہ سورہ سارے قرآن کا خلاصہ ہے۔

اس سورہ کی آیات پر سرسری نظر ڈالنے سے ہی از خود یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں پورے قرآن کا خلاصہ یا اجمالی ذکر کیا گیا ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ علمائے تفسیر نے قرآن کے مضامین کو پانچ اقسام میں تقسیم کیا ہے جو یہ ہیں:

(۱) تذکیر بالآء اللہ: یعنی اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا بیان جو انسانی زندگی اور اس کی بقاء کے لیے ضروری تھیں اور اس میں زمین، آسمان، چاند، سورج اور ہواؤں اور بادلوں وغیرہ کا ذکر سب کچھ آ جاتا ہے۔

(۲) تذکیر بایام اللہ: یعنی مخلوق کے ساتھ واقعات اور حوادث کا بیان اس میں قصص الانبیاء اور نافرمانی کی بنا پر ہلاک شدہ قوموں کا ذکر شامل ہے۔

(۳) تذکیر بالموت وما بعدہ: یعنی موت کے بعد آخرت کے احوال۔ اس میں اللہ کے ہاں باز پرس اور جنت و دوزخ کے سب احوال شامل ہیں۔

(۴) علم الاحکام یعنی احکام شریعت: تذکیر بالآء اللہ، تذکیر بایام اللہ اور تذکیر بالموت، سب کا مقصد حقیقی یہی ہے کہ ان کے ذکر سے انسان کو برضاء و رغبت احکام شریعت کی بجا آوری پر آمادہ کیا جائے۔

(۵) علم الخاصہ: یعنی گمراہ فرقوں کے عقائد باطلہ کا رد۔

اب دیکھئے اس سورہ کی پہلی تین آیات میں یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم سے لے کر دوسری بار الرحمن الرحیم تک اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ اور رحمت کی وسعت کا ذکر ہے اور یہ تذکیر بالآء اللہ کے ذیل میں آتی ہیں اور چوتھی آیت ﴿مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ﴾ تذکیر بالموت کے ذیل میں۔ پانچویں آیت ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِیْنُ﴾ علم الاحکام کا نچوڑ ہے۔ اور چھٹی آیت اللہ سے دعا اور تعلق باللہ پر مشتمل ہے اور یہ علم الاحکام ہی کے ذیل میں آتی ہے۔ اور ساتویں آیت میں تذکیر بایام اللہ بھی ہے اور علم الخاصہ بھی۔ اس لحاظ سے یہ سورہ فی الواقع قرآن کی اجمالی فہرست ہے اور اس ساری سورہ کا خلاصہ ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِیْنُ﴾ ہے۔ یعنی انسان صرف ایک اللہ کی عبادت کرے جس میں کسی قسم کے شرک کا شائبہ تک نہ ہو۔

اس سورہ کا نام الشفاء اور الرقیہ بھی ہے اور ان ناموں کی وجہ تسمیہ درج ذیل حدیث ہے:

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے کئی اصحاب عرب کے ایک قبیلہ پر پہنچے۔ جنہوں نے ان کی ضیافت نہ کی۔ اتفاق سے ان کے سردار کو بچھونے کاٹ لیا۔ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس آئے اور کہنے لگے: ”تم میں سے کسی کے پاس بچھو کے کاٹے کی کوئی دوا یا منتر ہے؟“ انہوں نے کہا: ”ہاں ہے۔ مگر چونکہ تم نے ہماری ضیافت نہیں کی اس لیے ہم اس کا معاوضہ لیں گے“ انہوں نے چند بکریاں (ایک دوسری روایت کے مطابق ۳۰ بکریاں) دینا قبول کیں۔ ایک صحابی (خود ابوسعید رضی اللہ عنہ) نے سورہ فاتحہ پڑھنا شروع کی۔ وہ

سورہ فاتحہ پڑھ کر پھونک مار دیا کرتے۔ چند دنوں میں وہ سردار اچھا ہو گیا۔ (حسب وعدہ) قبیلہ کے لوگ بکریاں لے آئے تو صحابہ کو

درد ہوا (کہ آیا یہ معاوضہ لینا بھی چاہئے یا نہیں) اور کہنے لگے کہ جب تک ہم نبی ﷺ سے پوچھ نہ لیں یہ بکریاں نہ لینا چاہئیں۔ انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: ”تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ منتر بھی ہے؟ وہ بکریاں لے لو اور (ان میں سے)

بعض بھی نکالو“ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ جب صحابہ مدینہ پہنچے تو کسی نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ اس شخص (ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ) نے کتاب اللہ پر اجرت لی ہے“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اِنْ اَحَقُّ مَا اُخَذْتُ عَلَيْهِ اَجْرًا كِتَابَ اللّٰهِ“ (تمہارے اجرت لینے کی سب سے زیادہ مستحق تو کتاب اللہ ہی ہے) (بخاری: کتاب الطب والرقي۔ باب الرقي بفاتحة الكتاب)

اس حدیث سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اجرت کا مطالبہ صرف اس لیے کیا تھا کہ ان بستی والوں نے ان کی مہمانی سے انکار کر دیا تھا۔ بالخصوص ان دنوں میں جبکہ وسائل سفر محدود، سست رفتار اور ہوٹل وغیرہ بھی نہیں ہوتے تھے اور ملکی دستور یہ تھا کہ مہمانی سے انکار کو قتل کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔

۲۔ اگر دم جھاڑ کی ضرورت پیش آئے تو صرف کتاب اللہ سے ہی کرنا چاہئے یا کم از کم دم جھاڑ کرنے والا شرکیہ یا مہمل الفاظ نہ پڑھے۔

۳۔ ضرورت مند لوگ دم جھاڑ کی اجرت بھی لے سکتے ہیں۔

رہا علی الاطلاق دم جھاڑ کو ایک مستقل پیشہ بنالینا یا خانے بنا کر یا مہمل الفاظ سے تعویذ لکھنا۔ انہیں پانی میں گھول کر پلانا۔ گلے

میں لٹکانا کسی دوسری جگہ باندھنا، ایسے سب کام شرعاً ناجائز ہیں اور اس کی تفصیل سورۃ القیامۃ میں آئے گی۔ نیز اس سورہ کا نام سورۃ الصلوٰۃ اور سورۃ الدعا اور تعلیم المسئلہ (مانگنے کے آداب) بھی ہے۔

﴿قِرَاءَةُ فَاتِحَةِ خَلْفِ الْإِمَامِ﴾۔ چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے نماز پڑھی اور اس میں ام القرآن نہ پڑھی اس کی نماز ناقص، ناقص، ناقص اور ناقص ہے“ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: ”ابو ہریرہ! کبھی میں امام کے پیچھے ہوتا ہوں؟“ وہ

کہنے لگے: ”فارسی کے بیٹے دل میں (چپکے چپکے) پڑھ لو۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے نماز (سورۃ فاتحہ) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دیا ہے۔ آدھی میرے لیے ہے اور آدھی میرے

بندے کے لیے جو کچھ وہ سوال کرے۔ میرا بندہ (نماز میں) کھڑا ہوتا اور کہتا ہے ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی۔ پھر وہ کہتا ہے ﴿الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی اور ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ میرے اور میرے بندے کے درمیان مشترک ہے اور سورۃ کا باقی حصہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کو وہ کچھ ملے گا جو اس نے مانگا۔ (مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ۔ ترمذی۔ ابواب التفسیر۔ سورۃ الفاتحہ)

سیدنا عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ“ (بخاری کتاب الاذان) اور امام بخاری نے تو باب کا نام ہی ان الفاظ سے قائم کیا ہے۔ (وجوب القراءۃ للامام والمأموم فی الصلوٰۃ کلہما فی الحضر والسفر وما یجہر فیہا وما یخافت) اس باب کے الفاظ کے عموم سے ہی یہ بات واضح ہے کہ خواہ کوئی اکیلا

نماز پڑھ رہا ہو یا مقتدی ہو یا امام ہو، نماز خواہ سری ہو یا جہری ہو ہر صورت میں اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔

ترمذی، ابوداؤد، احمد اور ابن حبان کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے پوچھا: ”تم لوگ اپنے امام کے پیچھے کچھ پڑھتے رہتے ہو؟“ ہم نے کہا: ”ہاں“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاتحہ کتاب کے سوا اور کچھ نہ پڑھا کرو۔ کیونکہ جو شخص فاتحہ نہ

پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (سبل السلام۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب صفة الصلوٰۃ حدیث نمبر ۱۳)

گویا سورۃ فاتحہ کے کل دس نام معلوم ہوئے۔ سورۃ الفاتحۃ، الحمد، سبعا من المثانی، أم القرآن، أم الكتاب، الشفاء، الرقیۃ، الدعاء، تعلیم المسئلۃ اور الصلوٰۃ اور بعض نے اس سے بھی زیادہ لکھے ہیں۔

﴿زَمَانَةُ نَزُولِ﴾۔ اس سورہ کا ترتیب نزول کے لحاظ سے پانچواں نمبر ہے۔ گویا یہ اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی تھی اور یہی پہلی سورت ہے جو پوری کی پوری یکبارگی نازل ہوئی۔

۱۲۱ ﴿﴾ کیا بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۃ فاتحہ کا جز ہے؟ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں اقرا یا ابداء محذوف ہے۔ اسی لیے ہم نے ترجمہ میں (شروع) کا لفظ بڑھایا ہے۔ اب یہ بحث باقی رہ جاتی ہے کہ آیا یہ آیت سورۃ فاتحہ کا جز ہے یا نہیں۔ اور اس کی اہمیت یہ ہے کہ آیا جہری نمازوں میں امام کو اس کی قراءت بلند آواز سے کرنی چاہئے یا خفی آواز سے؟

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ کے ختم ہونے کو نہیں پہچانتے تھے جب تک بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نازل نہ ہوتی“ (ابوداؤد۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب ماجاء من جہر بہا) جس کا مطلب یہ ہوا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سورتوں کی تعداد کے برابر (ماسوائے سورۃ التوبہ) یعنی ۱۱۳ بار نازل ہوئی۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ آپ پر ایک غنودگی سی طاری ہوئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے اپنا سر اٹھایا۔ ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس بات پر مسکرا رہے ہیں؟ فرمایا:

”مجھ پر ابھی ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر ﴿إِنَّا أَعْطَيْنَكَ الْكَوْثَرَ﴾

ہر سورت پڑھی۔ (مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ، باب حجة من قال بالبسملة آية من اول كل سورة سواء براءۃ)

امام مسلم اس حدیث کو جس باب کے تحت لائے ہیں اس کے عنوان کا ترجمہ یہ ہے ”سورہ توبہ کے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کو ہر سورت کا جز کہنے والوں کی دلیل“ اس دلیل کی رو سے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ صرف سورہ فاتحہ کا ہی جز نہیں

بلکہ ہر سورت کا جزء قرار پاتی ہے۔

نیز یہ آیت سورۃ نمل کی ایک مستقل آیت بھی ہے۔ (۳۰:۲۷) علاوہ ازیں قرآن کی تصریح کے مطابق سورہ فاتحہ کی سات آیات ہیں۔ اور یہ سات آیات تب ہی بنتی ہیں جب بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کو سورۃ فاتحہ کی پہلی آیت شمار کیا جائے۔ یہ

سب وجوہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس آیت کی قراءت جہری ہونا چاہئے۔ اس سلسلے میں متضاد روایات ملتی ہیں سب سے زیادہ مشہور سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی وہ حدیث ہے جسے بخاری، مسلم اور نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ سے نماز شروع کیا کرتے تھے اور مسلم میں یہ

الفاظ زیادہ ہیں کہ: ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہ قراءت کی ابتدا میں پڑھتے تھے اور نہ آخر میں“

اب یہ تو واضح ہے کہ مسلم میں مروی جملہ میں فی نفسہ مبالغہ میں زیادتی ہے ورنہ سورۃ فاتحہ کے آخر میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہے کب؟ اور جو لوگ بسم اللہ بالجہر پڑھنے کے قائل ہیں وہ اس سے یہ مراد لیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ فاتحہ کے بعد جو سورۃ پڑھتے تھے اس کی ابتدا میں بھی بسم اللہ بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔

اب اس کے برعکس نسائی کی درج ذیل حدیث ملاحظہ فرمائیے:

”نعم جمر کہتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھی۔ پھر ام القرآن پڑھی تا آنکہ وہ ﴿وَلَا الضَّالِّينَ﴾ تک پہنچے تو آمین کہا۔ پھر جب بھی سجدہ کرتے یا بیٹھنے کے بعد کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے۔ پھر جب سلام پھیرتے تو کہتے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ تم سب سے زیادہ میری نماز رسول

صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مشابہ ہے“ (نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب قراءۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم)

صاحب سبل السلام کہتے ہیں کہ یہ سب سے زیادہ صحیح حدیث ہے اور یہ اصل کی تائید کرتی ہے جو یہ ہے کہ قراءت میں جو فاتحہ کا ہے وہی بسملہ کا ہے۔ خواہ یہ جہراً ہو یا سرّاً ہو۔ کیونکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس قول کہ ”میری نماز تم سب سے زیادہ رسول

اللہ ﷻ کی نماز کے مشابہ ہے“ سے واضح ہے کہ آپ ﷺ بسملہ کی قرأت فرماتے تھے۔ اگرچہ اس میں یہ احتمال ہے کہ اس سے ابو ہریرہؓ کی مراد رسول اللہ ﷺ کی نماز کے اکثر افعال و اقوال سے ہو مگر یہ ظاہر کے خلاف ہے اور کسی صحابی سے یہ بعید ہے کہ اس نے اپنی نماز میں کوئی ایسا نیا کام کیا ہو جسے رسول اللہ ﷺ نے نہ کیا ہو۔ (سبل السلام مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ۔ شیش محل روڈ لاہور۔ الجزء الاول ص ۱۷۳)

نیز صاحب سبل السلام کہتے ہیں کہ: ”اس مسئلہ میں علماء نے لمبی چوڑی بحث کی ہے اور بعض نامور شخصیات نے کتابیں بھی تالیف کی ہیں۔ اور یہ وضاحت کی ہے کہ سیدنا انسؓ کی مندرجہ بالا حدیث مضطرب ہے۔ ابن عبد البر ”الاستذکار“ میں کہتے ہیں کہ سیدنا انسؓ کی تمام روایات کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ اس اضطراب کی وجہ سے کسی بھی فقیہ کے لیے اس سے حجت قائم نہیں ہوتی، نہ اس کے لیے جو بسملہ کی قراءت کرتے ہیں اور نہ ان کے لیے جو نہیں کرتے۔ اس کے متعلق سیدنا انسؓ سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ ”میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور بھول جاتا ہوں، لہذا اس میں کوئی حجت نہیں“ (ایضاً، ص ۱۷۲) بعض علماء نے اس آیت کی جہری قراءت کے قائل ہیں اور نہ ہی اس آیت کو سورۃ فاتحہ کا جزء قرار دیتے ہیں اور سات آیات کی تعداد پورا کرنے کے لیے ﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ کے آگے ۵ کا ہندسہ لکھ دیتے ہیں۔ جو کوفیوں کے نزدیک آیت کی علامت ہے لیکن یہ متفق علیہ آیت نہیں ہوتی۔ پھر لطف یہ کہ اس ۵ پر لا بھی لکھ دیا گیا ہے۔ یعنی یہاں وقف ممنوع ہے اور یہ تکلف صرف اس لیے کیا گیا کہ بسم اللہ کو نہ فاتحہ کا جزء سمجھا جائے اور نہ اسے جہری نمازوں میں بلند آواز سے پڑھا جائے۔

مجمع فہد نے عرب ممالک کے لیے جو قرآن طبع کیا ہے ہمارے خیال میں اس میں معتدل رویہ اختیار کیا گیا ہے جو یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ میں تو اس آیت کو سورہ کا جزء قرار دیا گیا ہے اور اس پر ایک کا نمبر لکھا گیا ہے۔ ﴿أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ کے آگے کچھ نہیں لکھا۔ البتہ باقی سورتوں میں اس آیت کو سورہ کا جزء قرار نہیں دیا گیا جس سے از خود یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے کہ سورۃ فاتحہ سے پہلے یہ آیت جہری نمازوں میں جہر سے پڑھنا بہتر ہے اور دوسری سورتوں میں سر سے۔

[۳] رَحْمَن اور رحیم دونوں مبالغہ کے صیغے اور اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام اور رحم سے مشتق ہیں۔ لیکن لفظ رحمان میں رحیم کی نسبت اتنا زیادہ مبالغہ ہے کہ رَحْمَن کا لفظ دوسرے نمبر پر اللہ کے ذاتی نام کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کی صراحت قرآن کی بے شمار آیات میں مذکور ہے۔ مثلاً ﴿الرَّحْمَنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ﴾ (۱:۵۵) ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ (۵:۲۰) ﴿قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمَنَ﴾ (۱۱۰:۱۷) اس لحاظ سے اللہ کی مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی سب صفات پائی جاسکتی ہیں سوائے رَحْمَن کے۔ ایک انسان رحیم، رؤف، کریم وغیرہ سب کچھ ہو سکتا ہے مگر رَحْمَن اللہ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث صحیح میں مذکور ہے کہ اللہ کو سب سے زیادہ دو نام پسند ہیں ایک عبد اللہ، دوسرا عبد الرحمن۔ (ترمذی: ابواب الادب، باب ما جاء ما يستحب من الاسماء)

اکثر علماء نے رَحْمَن اور رحیم کے فرق کو رحمت کی کیفیت اور کمیت کی کمی بیشی کی مختلف صورتوں سے واضح کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ اور ایک عام قول یہ ہے ”رحمن فی الدنیا رحیم فی الآخرة“ یعنی اللہ تعالیٰ دنیا میں رحمان ہے جو مسلمان، کافر، مشرک سب پر ایک جیسی رحمتیں نازل فرماتا ہے اور رحیم آخرت میں ہے۔ جو صرف ایمانداروں پر رحمتیں نازل فرمائے گا۔ اس کی ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ صفت رحمانیت کا تقاضا ایسی نعمتیں اور رحمتیں ہیں جو حیات کے وجود اور بقاء کے لیے ضروری ہیں۔ اور اس میں صرف انسان ہی نہیں جملہ جاندار مخلوقات شامل ہیں۔ جیسے سورج، چاند، نور و ظلمت، ہوا، پانی اور زمین کی تخلیق جو زندگی کی جملہ ضروریات کی کفیل ہے نیز ماں کی ممتا اور فطری محبت کے تقاضے بھی اس میں شامل ہیں اور رحیم

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۝

رح کی تعریف [۴] اللہ ہی کے لیے ہے [۵] جو سب جہانوں [۶] کا پروردگار ہے (۲) جو بڑا مہربان [۷]

۱۳۱۔ حمد اور شکر میں لغوی فرق:- حمد کا معنی تعریف بھی ہو سکتا ہے اور شکر بھی۔ تعریف (حمد) عام ہے اور شکر خاص۔ حمد

۱۳۲۔ قابل تعریف کارناموں سے ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان، شمس و قمر اور ستاروں کی حرکت غرض تمام کائنات کا نظم و ضبط اور منظم نظام بنادیا ہے جسے دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس پر اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ اور شکر ان خاص انعامات سے ہوتا ہے جو کسی خاص ذات سے متعلق ہوں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا انسان کو احسن تقویم پر پیدا کرنا۔ کسی رحمت اور رزق کی فراوانیوں سے مالا مال کرنا۔ ایسی نعمتوں کے اعتراف کو شکر کہا جاتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ ہی ہر طرح کی حمد اور شکر کا مستحق ہوا۔ علاوہ ازیں اگر مخلوق میں سے کوئی شخص کوئی قابل تعریف کارنامہ سرانجام دے اور اس پر اس کی تعریف کی جائے تو وہ بھی حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہوگی۔ کیونکہ قابل تعریف کام کرنے کی صلاحیت اور توفیق بھی اللہ تعالیٰ ہی کی عطا ہوتی ہے۔ گویا ہر طرح کی تعریف کا مستحق اللہ تعالیٰ ہی قرار پاتا ہے۔

۱۳۳۔ اللہ دراصل الالہ ہے، معبود حقیقی۔ الہ کا ہمزہ حذف کر کے اس پر تعریف کا الف لام داخل کر کے اللہ کا لفظ بنا ہے اور یہی سب سے بہتر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت میں ہر طرح کے نفع و نقصان کا مالک صرف اور صرف اللہ ہے اور کائنات کا خالق، پروردگار اور لامحدود اقتدار و اختیار ہونے کی وجہ سے صرف وہی عبادت کے لائق ہے۔ یعنی وہ تمام صفات جو الہ کے مفہوم میں پائی جانی چاہئیں وہ صرف اللہ میں ہی پائی جاسکتی ہیں۔ لہذا دوسرے سب الہ باطل اور ناقابل اعتبار ہیں۔ اس کی تمام صفات کا ذکر سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۵۵ میں ملاحظہ فرمائیں۔

رب کا لفظ تین معنوں میں آتا ہے:

(۱) کسی چیز کی درجہ بدرجہ تربیت اور خبرگیری رکھتے ہوئے اسے حد کمال تک پہنچانے والا یعنی پروردگار حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

(۲) کبھی یہ لفظ صرف تربیت (پرورش) کرنے والے مالک کے معنوں میں آتا ہے۔ جیسے سورۃ یوسف میں آتا ہے: ﴿فَأَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا﴾ (۲۱:۱۲)

(۳) اور کبھی صرف مالک کے معنوں میں جیسے حدیث میں ہے کہ کسی صحابی نے اپنی شہادت کے وقت فرمایا: ”فزت برب الکعبة“ (کعبہ کے مالک کی قسم! میں کامیاب ہو گیا)

۱۳۴۔ عالمین سے مراد اور اللہ کی تعریف کی وجہ:- العالمین: لغوی لحاظ سے عالم ہر وہ چیز ہے جس کا علم حواس خمسہ سے حاصل ہو۔ اس لحاظ سے تمام مخلوقات ایک عالم ہے مگر اس آیت میں عالم سے مراد جنس ہے (عالم غیب، عالم شہادۃ، عالم انس، عالم جن، عالم ملائکہ وغیرہ وغیرہ) بے شمار عالم ہیں۔ پھر زمانہ کے لحاظ سے ہر دور کے لوگ ایک عالم ہیں۔ دور بدلنے پر عالم بھی بدل جاتا ہے۔ اس طرح عالم کی سینکڑوں اور ہزاروں اقسام بن جاتی ہیں اور ان تمام عالموں کی تربیت اور پرورش کرنے والی ہر اللہ ہی کی بلند برتر ذات ہے۔ اس آیت کے پہلے حصہ میں یہ مذکور ہوا کہ ہر طرح کی تعریف صرف اللہ ہی کیلئے سزاوار ہے اور اس حصہ میں اسکی وجہ بتائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کی تعریف کا اس لیے مستحق ہے کہ وہ تمام جہانوں کا تربیت کرنے والا ہے۔

۱۳۵۔ یہ آیت اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے کے آداب میں سے پہلا آداب ہے۔ حسن طلب کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ جب کسی سے

مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ﴿١﴾ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿٢﴾

نہایت رحم کرنے والا ہے (۳) روزِ جزا (۴) سزا کا مالک (۵) ہے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں (۶) اور تجھی کچھ مانگتا ہو تو اس کی ابتدا اس کے محاسن کے تذکرہ سے کی جاتی ہے۔

[۷] رحمن اور رحیم کا فرق پہلی آیت بسم اللہ الرحمن الرحیم میں بتایا جا چکا ہے۔ ان الفاظ کو یہاں دوبارہ لانے کا مقصد صرف اس بات کا اظہار ہے کہ تمام جہانوں کی ربوبیت عامہ کے تقاضے صرف اسی صورت میں پورے ہو سکتے ہیں جب ان عالمین کا پروردگار رحمن بھی ہو اور رحیم بھی ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ رحمن اور رحیم نہ ہوتا تو یہ دنیا کبھی آباد نہ رہ سکتی بلکہ کب کی فنا ہو چکی ہوتی۔

[۸] دین کے مختلف معانی:۔ دین کا لفظ قرآن میں مندرجہ ذیل چار معنوں میں استعمال ہوا ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ کی مکمل حاکمیت اور اسی کا دوسرا پہلو یا لازمی نتیجہ ہے۔

(۲) انسان کی مکمل عبودیت جیسے ارشاد باری ہے:

﴿فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ اَلَا لِلّٰهِ الدِّينُ الْخَالِصُ﴾ (۳۹:۲-۳) ”لہذا خالصتاً اسی کی عبادت کرو۔ سن لو مکمل حاکمیت خالصتاً اللہ ہی کے لئے ہے“ ان دونوں آیات میں دین کا لفظ مذکورہ بالا دونوں معنی دے رہا ہے۔

(۳) قانون سزا و جزا یا تعزیرات جیسے ارشاد باری ہے:

﴿مَا كَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِکِ﴾ (۱۲:۷۶) ”اس (سیدنا یوسفؑ) کی شان کے لائق نہ تھا۔ ممکن نہ تھا کہ وہ بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو رکھ سکتا“

(۴) قانون سزا و جزا کو نافذ کرنے کی قوت، جیسے ارشاد باری ہے:

﴿فَلَوْلَا اِنْ کُنْتُمْ غَیْرَ مَدِیْنِیْنَ، تَرْجِعُوْنَهَا اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ (۵۶:۸۶-۸۷) ”پھر اگر تم سچے ہو اور قانون کی گرفت سے آزاد ہو تو (جب جان لوں پر آ جاتی ہے) اسے لوٹا کیوں نہیں لیتے؟“

اس آیت میں دین کا لفظ مندرجہ بالا چاروں معنی دے رہا ہے۔

[۹] پہلی آیات میں اللہ کی معرفت کا ذکر تھا۔ اس... آیت میں روزِ آخرت پر ایمان اور روزِ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عملی اقتدار و اختیار کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس کے اچھے اعمال کا اچھا اور برے اعمال کا برا بدلہ دے گا۔ وہ ایسا بدلہ دینے کی اور اپنے اس فیصلہ کو نافذ کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔ اعمال کے بدلہ کے سلسلہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے بہت سے ضابطے اور قوانین ہیں۔ جن کا ذکر قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر مذکور ہے۔ مثلاً یہ کہ نیکوں کا بدلہ اللہ جسے چاہے گا بہت زیادہ بھی دے سکتا ہے۔ مگر برائی کا بدلہ اتنا ہی دے گا جتنی اس نے برائی کی ہوگی۔ یا یہ کہ ایک کے جرم کی سزا دوسرے کو نہیں دی جائے گی۔ یا یہ کہ کوئی مجرم کسی صورت میں سزا سے بچ نہیں سکے گا۔ وغیرہ وغیرہ اور ان سب چیزوں کا ذکر قرآن میں بہت سے مقامات پر آیا ہے۔

[۱۰] عبادت: یہ لفظ تین معنوں میں آتا ہے۔ (۱) پرستش (۲) اطاعت و فرمانبرداری (۳) ہمہ وقت کی بندگی اور غلامی۔ یہاں یہ لفظ اپنے تینوں معنوں میں مستعمل ہے۔

عبادت کا مفہوم:۔ عبادت تین قسم کی ہے جیسے ہم تشہد میں اس کا اقرار کرتے ہیں۔ (التحیات للہ والصلوات والطیبات) ”یعنی ہماری تمام قلبی، بدنی اور مالی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں“ قلبی عبادات میں توکل، خوف و رجاء، محبت،

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ﴿۱﴾ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ

مدد چاہتے ہیں (۲) ہمیں سیدھی (۳) راہ پر استقامت عطا فرما (۴) ان لوگوں کی راہ پر

اللہ اور خشوع و خضوع شامل ہیں۔ یعنی صرف اللہ پر بھروسہ کیا جائے، اسی سے امید وابستہ کی جائے۔ اسی سے ڈرا جائے اس محبت باقی سب چیزوں سے بڑھ کر ہو اور اس کے سامنے انتہائی عاجزی اور خشوع و خضوع کا اظہار کیا جائے۔ بدنی عبادات سے مراد فرض نماز اور نوافل نمازیں، روزہ اور حج اور دوسرے احکام الہی کی عملاً پیروی کرنا ہے اور مالی عبادات سے مراد زکوٰۃ، صدقات و خیرات، قربانی اور نذر و نیاز وغیرہ ہیں۔ اگر اللہ کے سوا کسی اور کے لیے ان کاموں میں سے کوئی بھی کام بجالایا جائے۔ اللہ کے سوا کسی اور کو بھی اس میں شریک کیا جائے تو یہ عبادت کی نفی اور اللہ کے ساتھ شرک کرنا ٹھہرے گا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ شرک کا گناہ کبھی معاف نہیں کرے گا۔

[۱۱] استعانت کا مفہوم:۔ استعانت: (مدد چاہنا) انسان دنیا میں جو کام بھی کرتا ہے وہ یا تو کسی فائدہ کے حصول کیلئے ہوتا ہے کسی تکلیف یا نقصان کو دور کرنے کی خاطر۔ ان کاموں کو عربی زبان میں جلب منفعت اور دفع مضرت کہتے ہیں۔ اب انہی کاموں میں سے کسی کیلئے اگر کوئی شخص کسی ایسے شخص کو یا اللہ کے سوا کسی بھی دوسری ہستی کو پکارے یا اس سے مدد طلب کرے جو اس کے پاس موجود نہ ہو (یعنی ظاہری اسباب مفقود ہوں) تو یہ صریح شرک ہے اس کی مثال درج ذیل شعر میں ملاحظہ فرمائیے:

امداد کن امداد کن، از بند غم آزاد کن در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبد القادر !!

اب اگر کوئی شخص یہ شعر یا وظیفہ اپنی جگہ پر پڑھے یا شیخ عبد القادر جیلانی کی قبر پر جا کر پڑھے تو یہ شرک ہوگا۔ کیونکہ اس میں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ یہ فوت شدہ بزرگ میری پکار کو سن بھی رہے ہیں پھر میری مشکل کشائی اور حاجت براری کا اختیار یا تصرف بھی رکھتے ہیں۔

دعا یا پکار کو اللہ تعالیٰ نے عبادت ہی قرار دیا ہے (دیکھئے ۴۰:۶۰) اور احادیث صحیحہ میں سے ایک کے الفاظ یہ ہیں۔ ”الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ“ (دعا ہی اصل عبادت ہے) اور دوسری یہ کہ ”الدُّعَاءُ مِنْ الْعِبَادَةِ“ (دعا ہی عبادت کا مغز ہے)

ہاں اگر کسی حاضر شخص سے ایسے کام میں مدد چاہی جائے جو اس کے اختیار میں ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بلکہ ایسی امداد و تعاون کے بغیر تو دنیا میں کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا۔ اور جو کام اللہ کے سوا کسی دوسرے کے بس میں نہیں۔ مثلاً اولاد عطا کرنا، رزق میں کمی بیشی کرنا، گناہ بخشا، عذاب سے نجات دینا وغیرہ ایسے کاموں کے لئے کسی زندہ موجود شخص سے بھی مدد چاہنا شرک ہوگا۔ مگر کسی خطرہ مثلاً سانپ یا دشمن سے بچنے کے لئے مدد حاصل کرنا اور تعاون چاہنا درست ہوگا۔

اس آیت میں ﴿نَعْبُدُ﴾ اور ﴿نَسْتَعِيْنُ﴾ سے پہلے ﴿اِيَّاكَ﴾ کا لفظ لایا گیا ہے جو حصر کا بھی فائدہ دے رہا ہے اور تاکید کا بھی اور اس کا معنی یوں بنتا ہے کہ ہم صرف اور صرف تیری ہی عبادت کرتے اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ تیرے سوانہ کسی کی عبادت کرتے ہیں یا کریں گے اور نہ ہی کسی سے مدد مانگتے ہیں اور نہ مانگیں گے۔ گویا شرک کی جملہ اقسام کے استیصال کے لیے یہ اہل آیت ہی کافی ہے۔

نیز اس آیت میں جمع متکلم کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ واحد متکلم کے نہیں ہوئے۔ کیونکہ اسلام نماز باجماعت کی بھی کید کرتا ہے اور معاشرتی اجتماعی زندگی اور نظم و ضبط کی بھی۔ علاوہ ازیں ﴿نَعْبُدُ﴾ کے فوراً بعد ﴿نَسْتَعِيْنُ﴾ کا لفظ لایا گیا تاکہ اللہ کی اپنی عبادت پر غور نہ پیدا ہو جائے بلکہ وہ یہ سمجھے کہ اسے عبادت کی توفیق بھی اللہ ہی کی مدد کی بنا پر میسر آئی ہے۔

✽ جبر یہ اور قدر یہ دونوں فرقوں کا رد۔ دنیا میں عموماً تین قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ایک وہ جو اپنے آپ کو تقدیر کے ہاتھوں میں محض ایک کھلونا سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ جبر یہ کہلاتے ہیں دوسرے وہ جو اپنے آپ کو مختار مطلق سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انسان جو کچھ چاہے کر سکتا ہے ایسے لوگ قدر یہ کہلاتے ہیں۔ معتزلین بھی اسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ تیسرے وہ جو نہ اپنے آپ کو مختار مطلق سمجھتے ہیں اور نہ مجبور محض اور یہی لوگ دراصل حق پر ہیں۔ اس چھوٹی سی چار الفاظ کی آیت میں جبر یہ اور قدر یہ دونوں کا رد موجود ہے۔ وہ یوں کہ جب ہم نَعْبُدُ کہتے ہیں یعنی ہم عبادت کرتے ہیں تو اختیار ثابت ہو گیا اور اس میں جبر یہ کا رد ہے اور جب ہم مدد چاہتے ہیں۔ تو اس سے بندہ کا محتاج ہونا ثابت ہوا یعنی وہ مختار مطلق نہیں اور اس میں قدر یہ کا رد موجود ہے۔

[۱۲] علاوہ ازیں پانچویں آیت اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ سوال کرنے یا دعا مانگنے یا مدد چاہنے سے پہلے وسیلہ ضروری ہے اور اس آیت میں وہ وسیلہ عبادت ہے۔ جس کا ذکر پہلے آگیا ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث اس مضمون میں پوری وضاحت کر رہی ہے فضالہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو نماز میں دعا کرتے سنا، جس نے نہ تو اللہ کی حمد بیان کی تھی اور نہ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص نے جلدی کی۔ پھر اسے بلایا اور فرمایا: تم میں سے کوئی شخص بھی جب دعا کرے تو اپنے پروردگار کی تعریف اور ثناء سے شروع کرے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔ پھر اس کے بعد جو چاہے دعا کرے۔ (احمد - ترمذی - نسائی - ابوداؤد - بحوالہ سبل السلام ج ۱ ص ۹۲ باب صفۃ الصلوۃ حدیث نمبر ۴۸)

[۱۳] ✽ سیدھی راہ کون سی ہے؟۔ صراط مستقیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ وہ سیدھی راہ ہے جو بندے کو اللہ تک پہنچانے والی ہے۔ اور اس میں کوئی پیچ و خم یا افراط و تفریط نہیں اور یہ ایک ہی ہو سکتی ہے جبکہ باطل راہیں لاتعداد ہوتی ہیں۔ اسی راہ کو اللہ تعالیٰ نے جل اللہ بھی فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِي“ سے تعبیر فرمایا ہے اور صراط مستقیم کی دوسری تعبیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حق کا وہ راستہ جو سیدنا آدم سے لے کر تاقیامت ایک ہی رہا اور رہے گا اور وہی راستہ توحید ہر نبی کو وحی کیا گیا ہے۔

قرآن کریم ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے جن میں لوگوں کو اللہ سے دعا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اور پہلی دعا (اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ) سورہ فاتحہ میں ہی آگئی ہے پھر بعض آیات میں دعا کے قبول ہونے کا ذکر بھی موجود ہے۔ اس کے باوجود مسلمانوں کا ہی ایک طبقہ، جس پر عقل پرستی اور اعتزال کا رنگ غالب ہے اور ہر معجزہ یا خرق عادت بات کی تاویل کرنے کا عادی ہے..... دعا کی قبولیت کا منکر ہے کیونکہ دعا کی قبولیت کا تعلق بھی غیر مرئی اسباب سے ہے۔ لہذا یہ حضرات اس قسم کی آیات میں عجیب و غریب قسم کی تاویلات کا سہارا لیتے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں اس طبقہ کے سرخیل سر سید احمد خان (۱۸۱۷ء تا ۱۸۹۸ء) تھے۔ آپ نے مغرب میں ہی اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور مغربی افکار و نظریات سے شدید متاثر تھے اور مغرب صرف اس بات کو ماننے پر آمادہ ہو سکتا تھا جو عقل و تجربہ کی کسوٹی پر پرکھی جاسکتی ہو۔ آپ نے مسلمانوں میں مغربی افکار اور عقل پرستی کو رائج اور راسخ کرنے کے لیے کئی قسم کے اقدامات فرمائے جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے تفسیر القرآن لکھ ڈالی۔ اس تفسیر میں آپ دعا کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

✽ دعا کے متعلق سر سید احمد خان کا نظریہ:- ”دعا جب دل سے کی جاتی ہے بیشتر مستجاب ہوتی ہے مگر لوگ دعا کے مقصد اور استجاب کا مطلب سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ جس مقصد کے لئے ہم دعا کرتے ہیں وہ مطلب حاصل ہو جائے گا اور استجاب کے معنی اس مطلب کا حاصل ہو جانا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلطی ہے حصول مطلب کے جو اسباب اللہ نے مقرر

کے ہیں وہ مطلب تو انہی اسباب کے جمع ہونے سے حاصل ہوتا ہے۔ مگر دعا نہ تو اس مطلب کے اسباب میں سے ہے اور نہ اس مطلب کے اسباب کو جمع کرنے والی ہے۔ بلکہ وہ اس قوت کو تحریک کرنے والی ہے جس سے اس رنج و مصیبت اور اضطراب کو جو مطلب حاصل نہ ہونے سے ہوتا ہے تسکین دینے والی ہے“ (تفسیر القرآن، ج ۱ ص ۱۸)

خان صاحب کے مندرجہ بالا اقتباس سے دو سوال ذہن میں ابھرتے ہیں:

(۱) اگر ظاہر میں کوئی سبب نظر نہ آ رہا ہو تو آیا اللہ تعالیٰ کوئی سبب پیدا کرنے پر قادر ہے یا نہیں۔ بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے یا نہیں؟

(۲) کیا ظاہری اسباب کے علاوہ کچھ باطنی اور غیر مرئی اسباب بھی ممکن ہیں اور دعا کی بنا پر اللہ تعالیٰ بندہ کے حصول مطلب کے لئے کوئی ظاہری یا باطنی سبب بنا سکتا ہے یا نہیں؟

اگر تو ان سوالات کا جواب نفی میں ہو تو فی الواقع سر سید صاحب کے نظریات کے مطابق دعا کا کچھ اثر نہیں ہوتا اور نہ ہی ہونا چاہئے۔ اس صورت میں دعا کی استجاب کا مطلب صرف وہی رہ جاتا ہے۔ جو سر سید صاحب فرما رہے ہیں کہ دعا صرف قلبی واردات اور سکون سے تعلق رکھتی ہے۔ ظاہر میں ہوتا ہوا کچھ بھی نہیں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن سر سید صاحب کے اس نظریہ کی پر زور تردید کرتا ہے۔ مثلاً درج ذیل آیات ملاحظہ فرمائیے:

﴿فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ فَنُصِرْ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّنْهَمِرٍ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ﴾ (۵۴: ۱۰-۱۲)

”تو نوح علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ میں کمزور ہوں۔ اب تو ان سے بدلہ لے۔ پس ہم نے زور کے مینہ سے آسمان کے دہانے کھول دیئے اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے۔ تو پانی اس کام کے لئے جو مقدر ہو چکا تھا جمع ہو گیا“

اب دیکھئے کہ کیا دعا کے بعد آسمان سے بے تحاشا پانی برسا اور زمین کے چشمے مل کر طوفان کی شکل بنا اور کشتی میں نوح کو سوار کر کے کرب عظیم سے بچالینا، کیا یہ سب قلبی واردات ہیں یا یہ کام فی الواقع ظہور پذیر ہوئے تھے؟

پھر ایک مقام پر خان صاحب فرماتے ہیں کہ ”بسا اوقات دعا کی جاتی ہے مگر حاجت براری نہیں ہوتی پس معلوم ہوا کہ دعا موجب حصول مقصد نہیں ہے ورنہ ایسا نہ ہوتا“ (تہذیب الاخلاق، ماہ ربیع الاول، ۱۳۱۳ھ)

اس اقتباس میں لفظ ”بسا اوقات“ سے ظاہر ہے کہ دعا کبھی کبھار حصول مقصد کا سبب بن جاتی ہے۔ بس یہی ہمارا مقصد ہے، رہا یہ معاملہ کہ بسا اوقات قبول نہیں ہوتی تو دعا کی قبولیت کے کئی موانع ہیں جن کی تفصیل یہاں خارج از بحث ہے۔ نیز ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ دعا کی طرح دوا بھی بسا اوقات مرض کا علاج نہیں بن سکتی۔ حالانکہ وہ ایک ظاہری سبب ہے تاہم کبھی کبھار حصول مقصد کا سبب بن بھی جاتی ہے۔

دوا کا استعمال جسمانی تکلیف کو رفع کرنے کے لیے کیا جاتا ہے اور جب تک تکلیف رفع نہ ہو مریض کو کبھی تسکین نہیں ہو سکتی اور دعا کا دائرہ اثر دوا سے بہت زیادہ وسیع ہے۔ دعا دفع مضرت اور جلب منفعت دونوں کے لیے کی جاتی ہے۔ نیز اس کا استعمال مادی اور روحانی یا ذہنی دونوں طرح کے عوارضات کے لیے ہوتا ہے پھر جب تک دعا کے اثر سے ایسے عوارضات دور نہ ہوں یا نئے اسباب مہیا نہ ہوں دل کو تسکین ہو کیسے سکتی ہے؟

عَلَيْهِمْ لَا غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝

جن پر تو نے انعام کیا [۱۴] جن پر تیرا غضب نہیں ہوا اور نہ وہ راہِ راست سے بھٹکے [۱۵] (۷)

[۱۴] انعام والے اور گمراہ لوگ کون ہیں؟۔ قرآن کی تصریح کے مطابق ان سے مراد انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔ (۶۹:۴) وہ لوگ جنہیں مال و دولت یا حشمت و جاہ کی فراوانیاں حاصل ہیں۔ اور آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق ﴿مَغْضُوبٌ عَلَيْهِمْ﴾ سے مراد تو یہود ہیں جو گناہ کے کاموں پر دلیر ہو گئے تھے اور ان پر اللہ کا عذاب اور پھٹکار نازل ہوئی اور ضالین سے مراد عیسائی حضرات ہیں جو فلسفیانہ موٹو گائیوں میں پھنس کر تثلیث اور گمراہی کا شکار ہوئے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہے:

عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس (مدینہ) آیا۔ وہ اس وقت مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ لوگ کہنے لگے کہ یہ عدی بن حاتم ہے جو بغیر کسی کی امان یا تحریر کے آیا ہے۔ چنانچہ مجھے پکڑ کر آپ کے پاس لے گئے۔ آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور اس سے پہلے آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کو خبر دے چکے تھے کہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عدی کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دے گا۔ پھر آپ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور میں آپ ﷺ کے ساتھ تھا (راہ میں) ایک عورت اور اس کا بچہ ملے۔ وہ آپ سے کہنے لگے: ”ہمیں آپ ﷺ سے کچھ کام ہے“ چنانچہ آپ ﷺ کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور ان کا کام پورا کر دیا۔ پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے گھر تشریف لائے۔ ایک لڑکی نے آپ ﷺ کے لئے بچھونا بچھایا۔ آپ ﷺ اس پر بیٹھ گئے اور میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے اللہ کی حمد و ثنائیاں کی پھر مجھے کہا: وہ کون سی بات ہے جو تمہیں لا الہ الا اللہ کہنے سے باز رکھتی ہے، کیا تم اللہ کے سوا کوئی اور الہ جانتے ہو؟“ میں نے کہا ”نہیں“ پھر آپ نے کچھ دیر باتیں کیں پھر پوچھا: ”تمہیں اللہ اکبر کہنے سے کون سی چیز دور رکھتی ہے۔ کیا اللہ سے کسی بڑی چیز کو تم جانتے ہو؟“ میں نے کہا ”نہیں“ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہود پر تو اللہ تعالیٰ کا غصہ ہے اور نصاریٰ گمراہ ہیں“ میں نے کہا کہ میں تو یکطرفہ مسلمان ہوتا ہوں“ پھر میں نے آپ ﷺ کے چہرہ پر فرحت و انبساط دیکھی۔ پھر آپ ﷺ نے میرے بارے میں حکم دیا اور میں ایک انصاری کے ہاں مقیم ہوا۔ اب میں روزانہ صبح و شام آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا کرتا۔ (ترمذی۔ ابواب التفسیر۔ سورۃ فاتحہ)

دور نبوی میں تو واقعی یہی فرقے مغضوب علیہم اور ضالین تھے۔ مگر آج مسلمانوں کے اکثر فرقے ان میں شامل ہو چکے ہیں اور صراطِ مستقیم پر تو مسلمانوں کا صرف وہی فرقہ ہے جس کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا تھا ”مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاصْحَابِي“ (ترمذی، کتاب الایمان۔ باب افتراق هذه الامة)

[۱۵] آمین بالجہر کا ثبوت:- (۱) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب امام و لا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔ جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے کے موافق ہو گیا۔ اس کے پہلے گناہ بخش دیئے جائیں گے“ (بخاری۔ کتاب التفسیر۔ سورۃ فاتحہ) نیز کتاب الاذان والجماعۃ۔ باب فضل التامین

(۲) نیز عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ آمین دعا ہے اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اور ان کے پیچھے مقتدیوں نے اس زور سے آمین کہی کہ مسجد گونج اٹھی۔ (بخاری۔ کتاب الاذان والجماعۃ۔ باب جہر الامام بالتامین)

(۳) واکل بن جحر جو عام الوفود یعنی ۱۰ھ میں مدینہ تشریف لائے، فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا کہ جب آپ ﷺ نے نماز میں (غیرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ) کہا تو اپنی آواز کو خوب لمبا کر کے آمین کہی۔ (ترمذی۔ ابواب الصلوۃ۔ باب ماجاء فی التامین)

۲۸۶ آیاتھا

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ

رکوعاتها ۴۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیات ۲۸۶ (۲) سورۃ بقرہ [۱] مدنی ہے (۸۷) رکوع ۴۰

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

[۱] فضائل سورۃ البقرہ:- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”جس گھر میں سورۃ البقرہ پڑھی جائے، شیطان اس گھر سے نکل جاتا ہے۔“ (مسلم، کتاب صلوۃ المسافرين و قصرھا، باب استحباب الصلوۃ النافلة فی بیتہ..... الخ) نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ”الزہراوین (دو جگہ گانے والی سورتیں یعنی البقرہ اور آل عمران) پڑھا کرو۔ قیامت کے دن وہ اس حال میں آئیں گی جیسے وہ دوابِ یاد و سائبان یا پرندوں کے دو جھنڈ ہیں اور وہ اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے مغفرت کے لیے) جھگڑا کریں گی (لہذا) سورۃ البقرہ پڑھا کرو۔ اسے حاصل کرنا برکت اور چھوڑ دینا حسرت ہے اور باطل قوتیں (جادو وغیرہ) اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔“ (مسلم، کتاب فضائل القرآن و ما يتعلق بہ باب فضل قراءة القرآن و سورة البقرة)

زمانہ نزول اور شان نزول:- مدنی سورتوں میں سب سے پہلی سورت ہے۔ مکہ میں چھپاسی (۸۶) سورتیں نازل ہوئیں اور نزولی ترتیب کے لحاظ سے اس کا نمبر ۸۷ ہے، اگرچہ اس سورہ کا بیشتر حصہ ابتدائی مدنی دور میں نازل ہوا تاہم اس کی کچھ آیات بہت مابعد کے دور میں نازل ہوئیں مثلاً حرمت سود کی آیات جو ۱۰ھ کے اوائل میں نازل ہوئیں۔

سورۃ بقرہ کے نزول کا پس منظر:- مدینہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے پہلا کام جو کیا وہ مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر تھی تاکہ تمام مسلمان دن میں پانچ دفعہ اکٹھے ہو کر نماز ادا کریں اور اپنے مسائل پر غور کر سکیں۔ دوسرا اہم مسئلہ مہاجرین کی آباد کاری اور ان کے معاش کا تھا جس کے لیے آپ نے مہاجرین و انصار میں سلسلہ مواخات قائم فرمایا جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ تیسرا اہم مسئلہ مدینہ کی ایک چھوٹی سی نوخیز اسلامی ریاست کے دفاع کا تھا۔ کیونکہ اب مشرکین مکہ کے علاوہ دوسرے مشرک قبائل بھی مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے پر تلے ہوئے تھے۔ خود مدینہ میں یہود مسلمانوں کے اس لیے دشمن بن گئے تھے کہ آنے والا نبی سیدنا اسحقؑ کی اولاد کے بجائے سیدنا اسمعیلؑ کی اولاد سے کیوں مبعوث ہوا ہے۔ یہود کے تین قبائل بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ مدینہ میں آباد تھے جو آپس میں پھٹے ہوئے تھے اور مدینہ کے مشرکوں کے دو مشہور قبائل اوس اور خزرج کے حلیف بن گئے۔ انہیں لڑاتے رہتے تھے۔ آپ ﷺ نے سب سے پہلے یہودیوں کو ہی ایک مشترکہ مفاد کی طرف دعوت دی اور وہ مفاد تھا مدینہ کا دفاع۔ جس کی اہم دفعات یہ تھیں: (۱) اگر مدینہ پر باہر سے حملہ ہوا تو مسلمان اور یہود مل کر دفاع کریں گے۔ (۲) مسلمان اور یہود دونوں حصہ رسدی اخراجات برداشت کریں گے۔ (۳) مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان کسی طرح کے بھی جھگڑے کی صورت میں حکم رسول اللہ ﷺ کی ذات ہوگی۔ یہود کے لیے بظاہر ایسی شرائط کو تسلیم کر لینا ممکن نظر آ رہا تھا۔ کیونکہ وہ مدینہ کی معیشت اور سیاست پر پوری طرح چھائے ہوئے تھے، مگر یہ اللہ کی خاص مہربانی اور ان کی باہمی نا اتفاقی کا نتیجہ تھا کہ یہودی قبائل باری باری اور مختلف اوقات میں اس معاہدہ کو تسلیم کرتے چلے گئے۔ اس طرح جب یہ ریاست اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گئی تو مسلمانوں اور کافروں کے علاوہ ایک تیسرا مفاد پرستوں کا طبقہ بھی معرض وجود میں آ گیا۔ جنہیں منافقین کا نام دیا گیا۔ اس سورہ کی ابتدا میں انہیں تین گروہوں (مسلمان، کافر اور منافقین) کا ذکر ہوا ہے اور یہی اس کا زمانہ نزول ہے۔

حروف مقطعات کی بحث:- قرآن کی ۲۹ سورتوں کی ابتدا میں ایسے حروف استعمال ہوئے ہیں، ان میں سے مندرجہ ذیل